Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 9 | September 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
September 30, 2026

A Critical Review of Masood Akhtar Sheikh's Translation Work in the Context of "The Best Turkish Short Stories"

"ترکی کے بہترین افسانے" کے تناظر میں مسعود اختر شیخ کی ترجمہ نگاری کا تنقیدی جائزہ

Dr. Almas Khanum
Associate Professor, Department of Urdu, Government College University, Lahore

Zamar Sheikh
M.Phil. Urdu, Government College University, Lahore

Abstract

Translation plays a significant role in introducing national literatures to new linguistic and cultural contexts and in fostering intercultural understanding. In Urdu literature, translations of Turkish fiction have contributed to the dissemination of Turkish literary traditions, narrative techniques, and social experiences among Urdu readers. This study presents a critical assessment of Masood Akhtar Sheikh's translation practices in ***Turki Ke Behtareen Afsanay*** (The Best Turkish Short Stories), examining the collection as a contribution to Turkish–Urdu literary exchange. The study aims to evaluate the translator's approach to linguistic expression, cultural representation, narrative style, and the transfer of literary meanings from Turkish into Urdu. Particular attention is given to the ways in which the translated stories preserve the thematic concerns, characterization, atmosphere, and stylistic features of the original narratives while accommodating the linguistic and cultural expectations of Urdu readers. The research also considers the challenges inherent in translating short fiction, where idiomatic expressions, culturally specific references, tonal variations, and narrative economy require careful interpretive decisions.

Keywords: Masood Akhtar Sheikh, Turkish Short Stories, Urdu Translation, Translation Criticism, Turkish–Urdu Literary Exchange, Comparative Literature

کرنل (ریٹائرڈ) مسعود اختر شیخ ترکی اور اردو ادب کے درمیان ترجمے کے وسیلے سے علمی و ادبی روابط استوار کرنے والی نمایاں شخصیات میں شمار ہوتے ہیں۔ ایک صاحبِ علم اسکالر اور کہنہ مشق مترجم کی حیثیت سے انہوں نے ترکی ادب کے منتخب شاہکاروں، ادبی تصانیف اور شعری مجموعوں کو اردو اور انگریزی زبانوں میں منتقل کر کے مختلف زبانوں کے قارئین کے لیے ادبی و تہذیبی تجربات سے آشنائی کے امکانات پیدا کیے ہیں۔ ان کی ادبی سرگرمیاں محض ترجمے تک محدود نہیں بلکہ اخبارات میں شائع ہونے والے ان کے متعدد کالم بھی ان کی وسیع تر علمی و فکری دل چسپیوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ ترکی ادب کو اردو زبان کے قالب میں ڈھالنے کی ان کی کاوشیں اس اعتبار سے اہمیت رکھتی ہیں کہ ترجمہ نہ صرف دو زبانوں کے مابین ابلاغ کا ذریعہ ہے بلکہ مختلف تہذیبوں کے فکری، ادبی اور جمالیاتی سرمائے کو ایک دوسرے سے متعارف کرانے کا مؤثر وسیلہ بھی ہے۔ اس تناظر میں مسعود اختر شیخ کی خدمات کا مطالعہ ترکی ادب کے اردو تراجم کی روایت، اس کے فروغ اور بین

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 9 | September 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
September 30, 2026

اللسانی و بین الثقافتی روابط کے حوالے سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اسلام آباد میں اپنی کتابوں کی تقریب رونمائی کے موقع پر مسعود صاحب نے ترجمے کی نزاکتوں کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ :

"Translating works done in one language into another is not an easy job. It must be close to the original text of the piece of writing and writers message contained therein. " (1)

ترجمہ محض کسی ادب پارے کا لفظ بہ لفظ کسی دوسری زبان میں ڈھال دینے کا نام ہی نہیں ہے بلکہ یہ مصنف کے پیغام کی اصل روح کو دوسری زبان میں منتقل کرنا بھی ہے؛ ایک تہذیب اور ثقافت کو دوسری تہذیب اور ثقافت سے متعارف کروانا بھی ہے۔ ترکی اور پاکستان برادر ممالک ہیں، ترکی زبان اور اردو زبان کے تعلقات صدیوں پر محیط ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تعلقات مزید گہرے ہو رہے ہیں، ایک ہی مذہب اور ایک جیسے ثقافتی ورثے کی وجہ سے پاکستانیوں اور ترکوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ ادب اور تراجم اس تعلق کو مزید مظبوط کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، مسعود صاحب کے بقول:

"انہوں نے ترکی سے کتابوں کو اردو زبان میں تراجم کے لئے منتخب کیا کیونکہ وہ سوچتے ہیں کہ یہ کوشش دونوں ممالک کو ایک دوسرے کے اور قریب کر سکتی ہے۔"۲

مسعود اختر شیخ کی ادبی شراکت کا خلاصہ ایک جملے میں کیا جائے تو ترکی کے لئے ان کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ انہوں نے انگریزی ادب کی دنیا کے سب سے بہترین ہونے کی سامراجی داستان کو توڑا ہے۔ کیونکہ انہوں نے ترکی کے قریباً 35 سے زائد ادیبوں، شاعروں اور مختصر کہانی کے مصنفین کو انگریزی بولنے والی دنیا سے متعارف کروایا ہے۔ انہوں نے ترک ادب کو پاکستان میں متعارف کروایا جو انکا ایک بڑا اور قابل داد کارنامہ ہے۔ وہ نہ صرف پاکستانی قارئین کو ترکی زبان اور ادب سے متعارف کرواتے ہیں بلکہ ترکی کے بارے میں مختلف سیاسی اور تاریخی حقائق کو بھی پیش کرتے ہیں۔ مسعود صاحب نے ایک بڑی تعداد میں ترکی کی مختصر کہانیوں، نظموں اور ڈراموں کے اردو، انگریزی اور پنجابی زبانوں میں تراجم کیے۔ مسعود اختر شیخ نے اپنی زندگی کا ایک اہم حصہ ترکی میں گزارا، ترکی زبان سیکھی اور پھر ترکی سے اردو میں تراجم کر کے اس زبان کو سیکھنے کا حق ادا کر دیا۔ مسعود اختر شیخ کو ترکی اور اردو، دونوں زبانوں پر غیر معمولی دسترس حاصل ہے۔ ان کے تراجم کی روانی، اسلوب کی فطری دل آویزی اور زبان و بیان پر گرفت اس امر کی غمازی کرتی ہے کہ مترجم ترکی زبان اور اس کے ادبی و تہذیبی مزاج سے گہری واقفیت رکھتے ہیں۔ ان کی ترجمہ نگاری کا ایک نمایاں وصف یہ ہے کہ انہوں نے ترکی ادب کو براہِ راست ترکی زبان سے اردو میں منتقل کیا ہے، یوں اصل متن کی معنوی گہرائی، اسلوبیاتی خصوصیات اور ادبی تاثیر کو اردو میں برقرار رکھنے کی قابلِ قدر کوشش کی ہے۔ انہوں نے ترکی کے نامور ادیبوں اور شعرا کی متعدد اہم تخلیقات کو اردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔ ان کے تراجم کا دائرہ اصنافِ ادب کی وسیع دنیا پر محیط ہے، جس میں نثری و شعری ادب کے علاوہ کہانیاں، افسانے، ناول اور ڈرامے بھی شامل ہیں۔ ان کی علمی و ادبی خدمات کو ترکی کے ذرائع ابلاغ میں نمایاں جگہ ملی، جب کہ پاکستان کے ادبی حلقوں میں بھی ان کے کام کو پذیرائی ملی۔ ان کی ترجمہ نگاری کی

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 9 | September 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
September 30, 2026

اہمیت محض ایک زبان کے متن کو دوسری زبان میں منتقل کرنے تک محدود نہیں، بلکہ یہ ترکی اور اردو کے مابین ادبی و تہذیبی مکالمے کو فروغ دینے کا ایک مؤثر ذریعہ بھی ہے۔ اس ضمن میں احمد ندیم قاسمی کے الفاظ بھی اہمیت رکھتے ہیں:

"اگر کرداروں کے نام بدل دیئے جائیں تو تمام کہانیاں ہماری اپنی کہانیاں معلوم ہوتی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ترکی اور پاکستان کے مسائل قریب قریب ایک ہیں اور ان افسانوں کے کرداروں کی سوچ بھی اردو کی کہانیوں کے کرداروں کی سوچ سے کچھ مختلف نہیں ہے۔"۳

"ترکی کے بہترین افسانے" کا پہلا ایڈیشن 2002ء میں شائع ہوا جس میں 34 کہانیاں شامل تھیں۔ جبکہ دوسرا ایڈیشن 2009ء میں شائع ہوا جس میں 36 کہانیاں شامل ہیں۔ مسعود صاحب "ترکی کے بہترین افسانے" کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

"ترکی ادب عمدہ کہانیوں، ناولوں اور ڈراموں سے بھرا پڑا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ اکادمی ادبیات، مقتدرہ قومی زبان اور اس قسم کے دیگر ادبی ادارے اور انجمنیں مل کر ایک منصوبہ بنائیں جس کے تحت ترکی زبان جاننے والے حضرات کی خدمات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اگلے چند برسوں میں چیدہ چیدہ ترک ادیبوں کی منتخب تحریریں اردو کے قالب میں ڈھالی جائیں۔ ایسی کاوش اردو ادب کو بیش بہا خزانوں سے مالا مال کرنے میں شاندار کردار ادا کر سکتی ہے"(4)

"ترکی کے بہترین افسانے": تجزیاتی مطالعہ

"ترکی کے بہترین افسانے" کرنل (ریٹائرڈ) مسعود اختر شیخ کی ترجمہ نگاری کا ایک اہم اور قابلِ قدر نمونہ ہے۔ اس مجموعے کا حرفِ اوّل ممتاز اردو ادیب احمد ندیم قاسمی نے تحریر کیا ہے۔ کتاب میں ترکی کے تقریباً 23 نامور ادیبوں کی 36 منتخب کہانیاں شامل ہیں، جو ترکی افسانوی ادب کے تنوع اور فنی امکانات سے اردو قارئین کو متعارف کراتی ہیں۔ ترکی ادب کہانی، ناول اور ڈرامے کی ایک بھرپور روایت کا حامل ہے، تاہم برصغیر میں اس کے ادبی سرمائے تک براہِ راست رسائی کے مواقع محدود رہے۔ نوآبادیاتی دور میں ترکی اور ترک معاشرے سے متعلق معلومات بڑی حد تک انگریزی زبان کے واسطے سے برصغیر تک پہنچتی تھیں، جس کے نتیجے میں ترکی ادب کی اصل زبان، اسلوب اور فنی خصوصیات سے براہِ راست آگاہی کے امکانات کم ہو گئے۔ انگریزی وساطت سے ہونے والی ترسیل ترکی ادب کی تمام تر ادبی و جمالیاتی خوبیوں کو اردو قارئین تک منتقل کرنے کے لیے ہمیشہ کافی نہیں تھی۔ اس تناظر میں مسعود اختر شیخ کی اس تصنیف کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے، کیونکہ اس کے ذریعے ترکی افسانے براہِ راست ترکی زبان سے اردو میں منتقل ہو کر اردو ادب کے قارئین کے لیے ایک نئی ادبی دنیا کے در وا کرتے ہیں۔ یوں یہ مجموعہ محض افسانوں کا ترجمہ نہیں بلکہ ترکی اور اردو ادب کے مابین فکری، تہذیبی اور جمالیاتی روابط کے فروغ کی ایک قابلِ توجہ کوشش بھی ہے۔

مسعود اختر سے قبل ہمیں ترکی ادب کے چند اردو تراجم ملتے تو ہیں لیکن ان میں سے بیشتر انگریزی سے اردو میں ترجمہ کردہ ہیں۔ اردو ادب کے قارئین کو ترکی ادب سے براہِ راست متعارف کروانے میں سجاد حیدر یلدرم کی خدمات قابلِ قدر ہیں جنہوں نے گذشتہ صدی میں چند ترکی تراجم شوقیہ طور پر کیے اور ترکی کے چند شہ

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 9 | September 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
September 30, 2026

پاروں کو براہ راست ترکی زبان سے اردو زبان میں ترجمہ کیا۔ لیکن انہوں نے اپنے اکثر تراجم میں قابلِ اعتراض حد تک تصرف سے کام لیا اور کئی کرداروں کے نام بھی تبدیل کر دیے اس پر مزید اصل مصنفین کے نام ظاہر کرنے سے گریز کیا جس کی بنا پر ان کے کئی تراجم کے بارے میں رائے قائم کی گئی کہ یہ ترکی زبان سے ترجمہ نہیں کئے گئے بلکہ یلدرم کی طبع زاد تخلیق ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پاکستان میں ترکی زبان جاننے والے لوگ بہت کم ہیں بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ایک طویل مدت کے سناٹے کے بعد کرنل مسعود نے پاکستانی ادبی حلقوں کو جدید ترکی ادب اور ترکی کے نامور ادیبوں سے روشناس کروانے کا بیڑہ اٹھایا اور اپنے کام کو بہت خوش اسلوبی کے ساتھ نبھایا۔ انہوں نے اپنے ادبی ذوق کو ترکی سے اردو زبان میں ترجمہ کرنے کے لیے وقف کر دیا۔ اور ساتھ ہی اردو کی چند اہم تخلیقات کو بھی ترکی زبان میں شائع کروایا۔

کرنل مسعود اختر شیخ کا اردو زبان و ادب پر یہ احسان ہے کہ انہوں نے ترکی زبان کی درجنوں منتخب کہانیوں کو ترکی سے براہ راست اردو میں منتقل کیا ہے اور انہوں نے زبان و بیان کی سادگی اور سلاست و روانی کو بنیاد بنا کر ترکی ادب کے ایک وسیع ذخیرے کو اس طرح سے اردو زبان میں منتقل کیا ہے کہ ان کی تحریروں کی چاشنی نے اردو قارئین کی ایک بڑی تعداد کی توجہ ترکی ادب کی طرف مبذول کروادی۔ وہ اپنی کاوشوں سے ترکی کے نثری ادب کو اپنے قارئین کے سامنے ایک وسیع کینوس پر پیش کرنے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔

کرنل مسعود اختر شیخ کی ترجمہ کردہ منتخب کہانیوں کے بیشتر ادیب وہ نظر آتے ہیں جنہوں نے رومانیت سے ہٹ کر حقیقت پسندی کی راہ اختیار کی۔ تمام کہانیاں، ان کے جیتے جاگتے کردار اور ان کی سرگزشت حقیقت نگاری کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ غرض تمام کہانیاں حقیقت پسندی پر مبنی ہیں ان کہانیوں کی زبان روزمرہ کی بول چال کی زبان ہے اور ان کہانیوں کے کردار اور ہیرو بھی عوام سے ہی چنے گئے ہیں۔ کہانیوں اور کرداروں میں بناوٹی پن نظر نہیں آتا بلکہ ترکی کے باشندوں کے کرداروں کی سوچ سے مشابہ ہیں۔ کرنل مسعود اختر شیخ نے اپنے تراجم کے افسانوی مجموعے "ترکی کے بہترین افسانے" میں ترکی کے جن نامور اور انعام یافتہ مصنفین کی 36 عمدہ کہانیوں کا انتخاب کیا ہے، ان میں سے بیشتر کہانیاں انفرادی طور پر بھی انعام یافتہ ہیں۔ اس مجموعے میں شامل پہلی کہانی "بلیاں" ہے جو کہ سامی پاشازادہ سزائی کی مشہور کہانیوں میں سے ایک ہے۔ جو ترک ادبیات میں کہانی کی ابتدا کرنیوالے ادیبوں کی صفِ اول کا ادیب ہے۔ جنہوں نے ترکی ناول کا رخ رومانیت سے ہٹا کر حقیقت پسندی کی طرف موڑنے میں اہم کردار ادا کیا اور ان کی کہانیاں بھی حقیقت پسندی پر مبنی ہیں۔ اور ان کہانیوں کی زبان روزمرہ کی بول چال کی زبان ہے۔ وہ اپنی کہانیوں کے ہیرو اور کردار بھی عوام ہی سے چنتا ہے۔

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 9 | September 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
September 30, 2026

اس کہانی "بلیاں" میں دکھایا گیا ہے کہ کیسے ایک بیوی اپنے شوہر کی بجائے گھر میں تیس (30) پالتو بلیوں کو زیادہ اہمیت دیتی ہے، ان سے محبت کرتی ہے اور ہر وقت انہیں کی فکر میں گھلتی رہتی ہے۔ شوہر اپنی تنہائی، مایوسی، بے بسی اور بے وقعتی سے تنگ آ کر گھر سے کہیں دور چلے جانے کے ارادے سے نکل جاتا ہے حتیٰ کہ چلتے چلتے دور سمندر کے کنارے پہنچ جاتا ہے۔ اسے ادھر بھی سکون محسوس نہیں ہوتا بلکہ اسے تنہائی اور بے بسی کا احساس اور شدت سے محسوس ہونے لگتا ہے۔ سمندر کی لہریں جب ساحل سے ٹکراتی ہیں تو اسے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کہہ رہی ہوں۔ **"جاؤ جاؤ اپنے گھر جاؤ، اپنے گھر جاؤ"(5)** وہ پلٹتا ہے اور واپس اپنے گھر لوٹ جاتا ہے۔ مگر واپس جا کر بھی اسے اپنی تنہائی محرومی اور بے بسی کا شدت سے سامنا ہوتا ہے۔

"غالباً وہ اپنے قطعی فیصلے پر نظر ثانی کر چکا تھا۔ اب وہ چیڑھ کے درختوں کے بیچوں بیچ، کبھی چھپتا کبھی دکھائی دیتا، تیزی سے گھر کی طرف رواں دواں تھا۔ جب گھر میں داخل ہوا تو حالت یہ تھی کہ چہرے پر پریشانی چھا رہی تھی اور انا پاش پاش ہو چکی تھی۔ رفیقہ حیات سے کچھ کہے بغیر سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ منہ سر اوڑھ کر بستر پر لیٹا اور پھر جو رونا شروع کیا تو روتے روتے گھگی بندھ گئی۔ بیوی نے کمال نزاکت سے دروازہ کھولا اور بولی۔

'اتنا چلا چلا کر مت روؤ۔ میری بلیاں ڈر جائیں گی'"(6)

اس اقتباس سے واضح ہو جاتا ہے کہ شوہر کی اس افسردہ کیفیت، دکھ، تنہائی اور رونے دھونے کو دیکھ کر بھی بیوی کے دل میں اپنے شوہر کے لیے کوئی رحم یا ہمدردی پیدا نہیں ہوئی بلکہ اسے تب بھی اپنی بلیوں کے آرام کی زیادہ فکر ہوتی ہے۔ وہ اپنے شوہر پر ہمیشہ بلیوں کو ترجیح دیتی ہے۔ اور ایسی مثالوں سے معاشرے بھرے پڑے ہیں ۔ جہاں افراد اپنی بے قدری اور تنہائی سے تنگ اور دل برداشتہ ہو کر اندرونی توڑ پھوڑ اور ذہنی انتشار کا شکار ہو جاتے ہیں۔

"ضمیر کی آواز" اور "مرغا" اس مجموعے میں شامل یہ دونوں کہانیاں ترکی کے تین سب سے بڑے کہانی نویسوں میں شمار ہونے والے نامور ادیب عمر سیف الدین کی ہیں۔ جن کی زندگی گہرے صدموں کا مجموعہ ہے۔ اپنی زندگی کے غم والم اور صدموں نے انہیں قنوطیت کا شکار بنا دیا۔ ان کی اکثر کہانیوں میں ٹریجیڈی یعنی غمگیں اور المناک صورتِ حال دکھائی دیتی ہے ان کی تحریروں میں بھی عوام میں استعمال ہونے والی زبان نظر آتی ہے۔ کرنل مسعود اختر شیخ کی کہانی ''ضمیر کی آواز'' میں بھی ایک المیہ دکھایا گیا ہے کہ کس طرح انسان اپنی ایک غلطی چھپانے کے لئے کسی دوسرے پر جھوٹا بہتان لگا دیتا ہے۔ بعض اوقات انسان اپنے ضمیر کی آواز سننے میں بہت دیر لگا دیتا ہے اور اس کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے کوئی دوسرا اپنا بہت بڑا نقصان کر بیٹھتا ہے۔ جیسے اس کہانی میں ایک بھائی اپنی غلطی چھپانے کے لئے اپنے چھوٹے بھائی حسن پر الزام ڈال دیتا ہے۔ وہ ہزار صفائیاں دیتا ہے مگر کوئی اس کا اعتبار نہیں کرتا۔ وہ جب بھی اپنے منہ پر پڑنے والے تھپڑ اور اس بہتان کے بارے میں سوچتا تو

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 9 | September 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
September 30, 2026

رو دیتا۔ وہ اس بات کو اس قدر دل سے لگالیتا ہے کہ اسے خناق کا مرض ہو جاتا ہے اور جب تک اس کے بڑے بھائی کو اپنے ضمیر کی آواز سنائی دیتی ہے اور غلطی کا احساس ہوتا ہے تب تک اسکا چھوٹا بھائی موت کی آغوش میں جا چکا ہوتا ہے۔

عمر سیف الدین کی دوسری کہانی "مرغا" دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ 'ایک دوشیزہ کی ڈائری کے چند اوراق' پر مشتمل ہے۔ جبکہ دوسرا حصہ 'نظامِ حیات' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں ایک لڑکی کی زبانی مرغی خانے کا نقشہ کھینچا گیا ہے جس میں وہ مرغے کا موازنہ آدمی سے کرتی ہے کہ آدمی اور مرغے کی سرشت میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔ جیسے مرغا اپنے مرغی خانے میں ساری مرغیوں کا حاکم اور بادشاہ ہوتا ہے وہ مرغیوں پر رعب اور دبدبہ ڈالتا اور مار تا پیٹتا ہے وہ اس مرغی خانے کا موازنہ گھر کے ماحول کے ساتھ کرتی ہے کہ ہمارا گھر بھی اس مرغی خانے کی مانند ہے جہاں صرف ابا جان کی حکمرانی چلتی ہے اور سب ان کے غضب و غصے سے ڈرتے ہیں۔ اسے لگتا ہے کہ دنیا کا ہر مرد ایک جیسا ہی ہوتا ہے اور عورت کو اس کے مظالم سہنے پڑتے ہیں۔ ایسی سوچ کی بنا پر وہ کبھی نہ شادی کرنے کا فیصلہ کرتی ہے تاکہ اپنی زندگی آزادی اور خوشحالی سے گزار سکے۔ اس کہانی کے دوسرے حصے 'نظامِ حیات' میں اس کی سوچ میں ایک بڑا بدلاؤ اور سوچ کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے۔ جیسا کہ وہ مرغیوں کو مرغے کے مظالم سے بچانے کے لئے پتھر سے مار دیتی ہے۔ جس کے بعد مرغی خانے کا نظام درھم برہم ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی انسانی زندگی کا حال بھی ہے اگر گھر میں مرد جو کہ گھر کا حاکم و سردار ہوتا ہے وہ نہ ہو تو گھر قبرستان کی طرح ہو جاتا ہے۔ مرد کے بغیر عورت اور اس کی زندگی ادھوری ہوتی ہے۔ غرض مرد کی حاکمیت نظامِ حیات کا حصہ ہے۔ عورت کو ایک مرد کی ضرورت ہوتی ہے اور شادی اس نظامِ حیات کا ایک اہم حصہ ہے۔ کہانی کے اس مرکزی کردار کی سوچ میں یہ تغیر و تبدیلی اور بدلاؤ ایک خواب کے بعد شروع ہوتا ہے جس کے بعد وہ اس نظامِ حیات اور مرغی خانے کی تباہ حالی کو سمجھنے لگتی ہے۔

اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"آنکھ کھلی تو پسینے میں شرابور تھی۔ خدا جانے کس قدر جدوجہد کر چکی تھی۔ رضائی زمین پر گری پڑی تھی۔ ایک تکیہ میری چھاتی پر سوار تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے اور میرا جسم۔۔۔ بالکل بے حس جیسے ساری ہڈیاں ٹوٹ گئی ہوں۔ مگر یہ اضطرابی کیفیت کس قدر شیریں، کتنی خوش کن، کتنی روحانی نوعیت کی تھی۔ یا میرے خدا! اگر میں جانتی کہ اس مہیب خواب کو دوبارہ دیکھنا ممکن ہے تو فوراً آنکھیں بند کر کے لپٹ جاتی۔ واقعی درد اور خوف کے احساس کی، ظلم سہنے اور مار کھانے کی، چونچ سے زخمی ہونے اور جسم کے تار تار ہونے کی ایک اپنی لذت ہوتی ہے مظلوم کو ظلم سہنے میں جو مزہ اور لطف آتا ہے، ظالم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔۔۔ نیچے جاتے ہوئے بالکونی میں جا گھسی۔ کٹہرے پر کہنیاں ٹکا کر باغیچے کی پریشاں حالی پر غور کرنے لگی۔ باغیچہ کیا تھا خرابات کا مکمل نقشہ تھا۔ مرغیاں مدت ہوئی انڈے دینے بند کر چکی تھیں۔ سب کی سب معذوروں کی طرح دیوار کا سہارا لیے اونگھ رہی تھیں۔ حالانکہ صبح ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں کہا: تو گویا ان کی وہ مسرتوں بھری زندگی، وہ ہاؤ ہو گرمی طبع، وہ سب کچھ مرغے کے دم سے تھی۔"(7)

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 9 | September 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
September 30, 2026

ممدوح شوکت اسندال بھی ترکی کے ادبی شہرت یافتہ ادیب ہیں۔ ممدوح شوکت اسندال، جدید ترکی افسانے کے ممتاز نمائندوں میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ افسانہ نگار ہونے کے علاوہ سفارت کار اور سیاست دان بھی تھے اور انہوں نے باکو، تہران اور کابل میں سفارتی خدمات انجام دیں۔ اسندال کے افسانوں کی نمایاں خصوصیت عام انسان کی زندگی، روزمرہ مسائل، معاشرتی رویوں اور انسانی نفسیات کی حقیقت پسندانہ عکاسی ہے۔ ان کا اسلوب سادہ، رواں اور فطری مکالموں سے مزین ہے، جس میں عام زندگی کے بظاہر معمولی واقعات کے ذریعے انسانی فطرت اور معاشرتی زندگی کے اہم پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں انسانی رشتوں کی پیچیدگیوں، معاشرتی ناہمواریوں اور عام لوگوں کے تجربات کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ ان کے معروف افسانوی مجموعوں میں او طلکچی اور مندیل آلتندا شامل ہیں، جب کہ ان کا ناول آیا شلی وے کر جیلری بھی ترکی ادب میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔ زیرِ نظر مجموعے میں ان کے دو افسانوں "بڑھاپا" اور "امی ابو" کے تراجم کی شمولیت اردو قارئین کے لیے جدید ترکی افسانے کی ایک اہم ادبی روایت سے واقفیت کا ذریعہ ہے۔

کرنل مسعود اختر شیخ نے اپنے مجموعے میں شامل تمام کہانیوں کے تراجم نہایت آسان اور سادہ زبان میں تحریر کیے ہیں اور انہیں ترکی زبان سے براہِ راست اردو میں ڈھالا ہے۔ ان کہانیوں کا تانا بانا عوام کی روزمرہ زندگی اور مسائل کے ارد گرد بنا گیا ہے۔ اسندال نے ترکی ادب کو شاہی محل، حرم سرائے، شاہان عالی مقام، پر شکوہ شہزادوں، پری وش شہزادیوں اور داستان ہائے عشق کی کہانیوں سے نکال کر عوامی محلوں، ان کی روزمرہ کی زندگی اور ان کے مسائل میں لا کھڑا کیا ہے۔ اس مجموعے میں شامل ان کی دونوں کہانیوں میں بھی روزمرہ کی زندگی اور مسائل سے دوچار زندگی کو سمویا گیا ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ ان کی ادبی شہرت جلد ہی ترکی میں گھر گھر پہنچ گئی۔ کرنل مسعود اختر شیخ نے مجموعے کی باقی ماندہ کہانیوں کی طرح رشاد نوری گین تیکن کی دو منتخب کہانیوں "ہے کوئی پاکدامن بیان" اور "اشرف المخلوقات" کا ترجمہ بھی نہایت عمدہ آسان اور دلکش طرزِ تحریر میں کیا ہے۔

رشاد نوری کا شمار بھی ترکی کے نامور ادیبوں میں ہوتا ہے۔ ان کی کہانیوں میں اناطولیہ کے شہروں، قصبوں اور دیہات پر دلکش پیرائے میں روشنی ڈالی گئی ہے اور لوگوں کے ذہنی رویوں اور ذہنی انتشار کی عکاسی بھی ان کی کہانیوں کا خاصا ہے۔

مسعود اختر صاحب نے ترکی کی منتخب کہانیوں کو اس عمدگی، سادگی، حسن اور دلکشی کے ساتھ اردو میں منتقل کیا ہے کہ انہوں نے بڑی تعداد میں قارئین کی توجہ ترکی ادب کی طرف مبذول کرائی ہے۔ ان کی عبارتوں میں روانی اور زبان کی سادگی ہر جگہ واضح ہے جو ان کی تحریروں کو جاندار بناتی ہے۔ انہوں نے تمام کہانیوں کو اس قدر دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے اور ترکی کہانیوں کے اس قدر پاکستانی معاشرت، ثقافت اور طرزِ زندگی کے قریب تر ہونے کی وجہ سے قارئین کی توجہ اور دلچسپی کا مرکز ہیں۔ ان کی کہانی "ہے کوئی پاکدامن یہاں" کے عنوان سے ہی کہانی کا مرکزی نقطہ واضح ہو جاتا ہے۔ اس میں شہر کا ایک معتبر تاجر اور خیر خواہ مرنے سے پہلے

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 9 | September 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
September 30, 2026

وصیت چھوڑتا ہے کہ اس کی جائیداد اور اثاثوں کا ایک بڑا حصہ سب سے نیک، صادق اور پاکدامن شخص کو دیا جائے اور اس شخص کی پاکدامنی کے بارے میں عوام سے رائے لی جائے لیکن اس حقیقت سے کسی کو بھی انکار نہیں کہ کوئی بھی انسان فرشتہ صفت نہیں ہو سکتا کہ زندگی بھر اس سے کوئی خطا سرزد نہ ہو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی زندگی میں چھوٹی بڑی غلطیوں کا ارتقاب کر بیٹھتا ہے۔ مگر اس کی ذاتی زندگی میں جب ایسے دخل دینے پر بات آئے تو لوگ اس کی معمولی غلطیوں کو بھی جرائم بنا کر پیش کرتے ہیں اور بڑھا چڑھا کر اس کی برائیاں پیش کرتے ہیں جیسا کہ اس کہانی کا کردار حافظ رؤف آفندی جو شہر کے نیک و صادق افراد میں شمار ہوتا ہے تو ان کے متعلق لوگوں کی رائے سے خطوط پڑھ کر انہیں شہر بدر کرنے تک کی نوبت آ پہنچتی ہے اور وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا۔

"ہمارا کام اس شخص پر مقدمہ چلانا نہیں تھا بلکہ محض یہ تحقیق کرنا تھا کہ آیا وہ پاکدامن اور صاحب عفت و صداقت ہے یا نہیں۔ بغل میں چھری اور منہ میں رام رام کے مصداق رؤف آفندی کے کرتوتوں کا بھانڈا پھوٹ گیا ہے۔ جناب صدر، اگر آپ حکم دیں تو اس شخص کا نام امیدواروں کی فہرست سے خارج کر دیا جائے۔ اگلی مرتبہ دیگر امیدواروں کے بارے میں یہ تحقیقات کا جائزہ جاری رکھا جائے گا۔

ڈاکٹر: (فریاد کرتے ہوئے) حضور ماسٹر صاحب، شاید آپ نے شہر کے تمام پاکدامن اور ارباب عفت حضرات کو ایک ایک کر کے پھانسی پر چڑھانے اور پھر شہر بھر میں اکیلے دندناتے پھرنے کا عزم کر رکھا ہے۔"(8)

مجموعے کی اگلی کہانی "اشرف المخلوقات" میں ایک ایسے غریب گھرانے کا نقشہ کھینچا گیا ہے جس میں ایک دو سال کا بچہ بیمار پڑا رہتا ہے اور گھر والے غربت کی وجہ سے اس کا علاج کروانے سے قاصر ہوتے ہیں پھر ایک مدت کے بعد دولت آجانے پر اچھے سے اچھا ڈاکٹر بھی اس کا علاج کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ پھر اچانک ایک دن جب وہ ایک معذور بچے کو دیکھتا ہے تو اس کو مارنے کے لئے لپکتا ہے اور اس کے بعد اسکی حالت سدھرنے لگتی ہے اور وہ زندگی کی طرف لوٹنے لگتا ہے کیونکہ وہ زندگی میں پہلی بار ایسی مخلوق دیکھتا ہے جو اسے خود سے بھی کمزور اور لاغر محسوس ہوتی ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے دوسرے جانداروں میں افضل مقام رکھتا ہے۔ اسی طرح جب وہ بچہ خود سے بھی کمزور اور لاغر بچہ دیکھتا ہے تو خود کو اس سے بہتر اور افضل سمجھنے لگتا ہے۔

"معذور بھکاری جب اس کی میٹھی میٹھی باتیں سن کر اس کے بالکل قریب آگیا تو بچہ یک دم اس پر بری طرح جھپٹ پڑا۔ اسے بے دردی سے پیٹنے لگا۔ کبھی اس کے بال نوچتا، کبھی اس کا گلہ گھونٹتا، کبھی ناخنوں سے اس کا چہرہ نوچتا۔ بیمار بچے کے والدین شور سن کر باہر بھاگے۔ انہوں نے بڑی مشکل سے معذور بھکاری بچے کو اپنے بیٹے کے ہاتھوں سے چھڑایا۔ وہ ڈر رہے تھے کہ اس ہاتھا پائی سے ان کا بچہ تھک کر نڈھال ہو گیا ہو گا لیکن انہیں یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ اس لڑائی کا ان کے بچے پر نہایت معجزانہ اثر ہوا ہے۔ اس کے چہرے پر ہلکا ہلکا گلابی رنگ لہلہا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں فخر و انبساط سے چمک رہی تھیں۔ اب وہ روبہ صحت تھا۔"(9)

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 9 | September 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
September 30, 2026

کرنل مسعود اختر شیخ کے اس مجموعے میں شامل آٹھویں کہانی ''دیر نہ کرنا'' خالق ارناس بالکیجی کی کہانی کا ترجمہ ہے۔ جن کی تحریریوں کی شہرت ان کی زندگی میں ہی ترکی کی سرحدیں پار کر کے بین الاقوامی ادبی حلقوں تک جا پہنچی۔ یہ کہانی بھی جذبات اور امیدوں سے بھرپور ایک بوڑھے آدمی کی داستان ہے جو تن تنہا زندگی کاٹ رہا ہوتا ہے اور اپنے اکلوتے بیٹے کی میدانِ جنگ میں شہادت کے بعد بھی ہر وقت اس کے انتظار میں نظریں بچھائے بیٹھا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ دوسرے لوگوں میں بھی اپنے بیٹے کا عکس دیکھنے لگتا ہے۔ اس کی یاد میں اکثر اس کی آنکھیں بھیگی رہتی ہیں اور وہ آخری سانس تک بھی اپنے بیٹے کا انتظار کرتا اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔ "جہاز کے عملے کا ایک آدمی بڈھے کے بستر کے قریب گیا تو بڈھا اس کے ہاتھ سے لپٹ گیا اور بولا۔ ''بیٹا! تم نے بڑا اچھا کیا جو آ گئے۔ اب دونوں اکٹھے چلیں گے اور مل کر تمہاری امی کو ڈھونڈیں گے۔ جب بھی بازار جانے کے لئے گھر سے نکلتا، تمہاری امی ہمیشہ مجھے کہتی 'داؤد دیر نہ کرنا! 'اچھا ہوا تم نے دیر نہیں کی۔ چلو اب اکٹھے گھر چلتے ہیں۔ جہاز کے عملے نے مشکل سے اپنے آنسوؤں پر قابو پایا۔ بڈھا گنگنا رہا تھا۔ **'غازیو، مجاہدو'۔(10)**

"چودہ سالہ جوانمرد" میں مصنف نے اتاترک کی جنگِ آزادی سے پہلے اور بعد کے ترکی معاشرے کی نہایت حقیقت پسندانہ عکاسی کی ہے اور ان کی تحریروں میں معاشرے کے مختلف مسائل کا بڑی مہارت سے تجزیہ کیا ہے۔ اس کہانی میں بھی جنگ آزادی کے نتیجے میں ہونے والی تباہ کاریوں اور وحشتناکیوں کی ایک پر درد جھلک نظر آتی ہے۔ اس میں حالات کی ایسی ستم ظریفیاں دکھائی گئی ہیں۔ جو بچوں کو بھی ان کی عمر سے کہیں بڑا بنا دیتی ہیں اور سنگین ترین حادثات انہیں پختہ اور مضبوط بنا دیتے ہیں۔

کرنل مسعود اختر شیخ جیسی پروقار اور قابلِ داد شخصیت نے ترکی کی جن کہانیوں کو تراجم کے لئے منتخب کیا ہے۔ ان میں سے کسی بھی کہانی کا تعلق فینٹسی سے نہیں بلکہ تمام کہانیاں حقیقت نگاری کا سرچشمہ ہیں۔ اور تمام کہانیاں حقیقت پر مبنی ہونے کی بنا پر ان کے کردار بھی جیتے جاگتے معلوم ہوتے ہیں اور کہانیاں بھی جاندار ہیں۔ مسعود صاحب کے تمام مجموعوں میں شامل کہانیاں زندگی کے تقریباً تمام تر پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہیں انہوں نے جن کہانیوں کو اپنے مجموعوں کا موضوع بنایا ہے ان میں زیادہ تر نچلے طبقے کے غریبوں، محنت کشوں، مزدوروں، کسانوں، جانوروں (ان سے محبت یا ان پر ظلم و ستم)، جیل خانے کی قباحتوں اور قیدیوں کے حال، اناطولیہ کی دیہاتی عوام کی زندگی (جہاں بچوں کے لئے بچپن میں کھیل کود کا کوئی دور ہی نہیں ہوتا)، مچھیروں، بھکاریوں اور اتاترک کی جنگ آزادی کے نتیجے میں ہونے والی تباہ کاریوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ ان کہانیوں کے کرداروں میں مرد، عورتیں، بچے، نوجوان، دوشیزائیں، نومولود، بوڑھے غرض، ہر عمر اور ہر ذات و طبقے کا انسان نظر آتا ہے۔

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 9 | September 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
September 30, 2026

اس مجموعے میں شامل دو کہانیاں "سفید چمڑی" اور "ایک کہانی میرے گھر کی زبانی" ترکی کے مشہور شاعر اور ادیب ناظم حکمت کی ہیں۔ جن کی چند نظموں کا مرحوم فیض احمد فیض نے بھی انگریزی زبان سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اور مسعود اختر شیخ نے ناظم حکمت کی 101 نظمیں ترکی زبان سے انگریزی میں ترجمہ کی ہیں۔

"سفید چمڑی" اس مجموعے کی ایک اہم کہانی ہے۔ یہ ایک ایسے شخص کی سرگزشت ہے جس کا نام وا۔ نی۔ فے تھا جو چین کی ایک بندرگاہ میں رہا کرتا تھا۔ جس سے ملتی جلتی کئی سرگزشتیں دنیا بھر میں ملتی ہیں۔ اس میں سیاسی پیچ و خم اور کرپٹ مافیا کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ وا۔ نی۔ فے کا باپ انگریز تاجروں (سفید چمڑی والوں) کے آرڈر پر شمال سے جنوب اور مغرب سے مشرق اپنی چٹائی کے بادبانوں والی کشتی پر افیون اور چاول ڈھویا کرتا تھا۔ وا۔ نی۔ فے تب گیارہ سال کا تھا جب اسے ایک فرانسیسی مشنری دینی تعلیم دینے کی غرض سے اپنے ساتھ لے گیا۔ ایک بچہ جس نے دن کو نیلے سمندر اور رات کو آسمان پر جگمگاتے ستاروں کے سوا کچھ نہیں دیکھا تھا اسے لگاتار آٹھ برس تک مشنری سکول میں پڑھایا گیا۔ در حقیقت یہ وہ بچے تھے جن کو سفید چمڑی والے (انگریز) لے جا کر انہیں کچی ذہنیت میں ہی ایسی تعلیم دیتے کہ وہ اپنی پوری زندگی ان کے لیے وقف کر دیتے اور ان کے لئے جاسوسی اور مخبری کا کام کرتے۔ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"اے ریوڑ سے جدا رہنے والے بدبخت انسان، عیسیٰ علیہ السلام کے چرواہوں نے تجھے حق کی راہ میں دعوت نہیں دی۔ آ، اپنے ریوڑ سے مل جا۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ پتھروں اور ستاروں کو پیدا کرنے والا خدا ہے۔ اگر خدا تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہو تو فرانسیسیوں اور انگریزوں کی اطاعت کرو۔۔۔۔ اے ریوڑ سے جدا رہنے والے بدبخت، کوئی زمانہ تھا کہ میں بھی تیری طرح گمراہ تھا، مگر اب مجھے راہ حق مل گئی ہے۔ آ، تو بھی اسی راہ پر آ جا جس پر چل کر میں یہاں پہنچا ہوں۔" (11)

ایسی مثالیں دنیا بھر کے کئی ممالک میں دیکھنے کو ملتی ہیں جہاں چھوٹی عمر کے بچوں کو مسلسل کئی سالوں تک تعلیم دی جاتی ہے اور حکومتی جاسوسی، مخبری اور مختلف ہتھکنڈوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس کہانی کے آخری اقتباس میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

"یہ تو تھی وا۔ نی۔ فے کی سرگزشت۔ آیئے ہم ذہن نشین کر لیں کہ ایک چینی بندرگاہ کی نسبت بہت بڑے، مگر کائنات کے مقابلے میں نہایت چھوٹے اس کرہ ارض پر بے شمار فرانسیسی مشنری، انگریز قونصلر، جاسوسی کے محکموں کے ڈائریکٹر، قونصل خانوں کے سنتری اور وا۔ نی۔ فے رہتے ہیں۔ ان سب کے نام اور لباس تو ضرور مختلف ہوتے ہیں مگر سب کے کام کی نوعیت ایک ہی جیسی ہوتی ہے" (12)

"ایک کہانی میرے گھر کی زبانی" بھی اس مجموعے کی ایک اہم کہانی ہے جس میں یہ نکتہ پیش کیا گیا ہے کہ کبھی کبھار زندگی کا صرف ایک غلط بڑا اور بنیادی فیصلہ کس طرح زندگی بھر کا روگ اور پچھتاوا بن جاتا ہے جو زندگی کو بے رنگیوں اور مایوسیوں سے بھر دیتا ہے۔ کرنل مسعود اختر شیخ نے ترکی ادب کا وسیع اور عمیق مطالعہ کرنے کے بعد اپنے تراجم کے لیے ترکی کے صفِ اوّل کے ادیبوں اور ان کی نمائندہ تخلیقات کا انتخاب کیا۔ انہوں نے نہایت مہارت، ادبی بصیرت اور خوش اسلوبی کے ساتھ ترکی ادب کے منتخب افسانوں، شہ پاروں اور اہم تصانیف کو اردو کے قالب میں ڈھال کر اردو قارئین کے لیے اس ادب کے نئے دریچے وا کیے۔ ان کی یہ

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 9 | September 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
September 30, 2026

کاوش محض ترجمے تک محدود نہیں بلکہ دو برادر ممالک کے ادبی و ثقافتی روابط کو مضبوط بنانے کی ایک قابلِ قدر کوشش بھی ہے۔ کرنل مسعود اختر شیخ کی خدمات کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ انہوں نے ترکی ادب کے ایک وسیع ذخیرے سے اردو قارئین کو متعارف کروانے میں نمایاں کردار ادا کیا اور اپنے تراجم کے ذریعے انہیں ترکی معاشرے، تہذیب اور ادبی روایت کو قریب سے جاننے اور سمجھنے کا موقع فراہم کیا۔ یوں ان کی یہ ادبی خدمت اردو ادب کے دامن کو وسعت دینے کے ساتھ ساتھ پاکستان اور ترکی کے مابین ثقافتی ہم آہنگی کے فروغ میں بھی اہمیت رکھتی ہے۔ ان کی ترجمہ نگاری کو پاکستان اور ترکی کے ادبی حلقوں میں ملنے والی پذیرائی اس امر کی عکاس ہے کہ ان کی کاوشیں دونوں ممالک کے ادبی تعلقات کو مستحکم بنانے میں قابلِ ذکر اہمیت رکھتی ہیں۔

اس مجموعے میں شامل ایک اور مختصر افسانہ "تسلیم و رضا" ہے۔ اس کے لکھاری نجیب فاضل قصہ کورک ترکی کے ممتاز شاعر، ادیب، ڈراما نگار اور مفکر تھے، جنہوں نے بیسویں صدی کے ترکی ادب میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ وہ ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۸۳ء میں وفات پائی۔ ان کی ادبی تخلیقات میں انسانی نفسیات، روحانی اضطراب، اخلاقی کشمکش، تنہائی اور زندگی کے گہرے فلسفیانہ سوالات کی عکاسی ملتی ہے۔ ان کی تحریروں میں انسان کے باطنی احساسات اور ذہنی پیچیدگیوں کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ شاعری اور ڈراما نگاری کے علاوہ انہوں نے افسانہ نگاری میں بھی اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار کیا۔ ان کا اسلوب فکر انگیز، اثر انگیز اور معنوی گہرائی کا حامل ہے، جس کے ذریعے وہ انسانی زندگی کے پوشیدہ پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں۔ نجیب فاضل قصہ کورک کی ادبی خدمات جدید ترکی ادب کی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔

افسانے "تسلیم و رضا" میں بھی ایک ایسے شخص کی داستان بیان کی گئی ہے جو اپنی ناقابلِ علاج بیماری (کینسر) اور جلد موت کی خبر سن کر سوٹ کیس اور چند کتابیں اپنے ہمراہ لئے یورپ، ایران، ہندوستان اور دنیا کے مختلف ممالک میں اس جگہ کی تلاش میں گھوم رہا ہوتا ہے کہ جہاں کبھی موت کا گزر نہ ہوا ہو لیکن ایا ممکن نہیں کہ دنیا میں کوئی ایسا مقام ہو جہاں موت کا گزر نہ ہو۔ موت برحق ہے جسے کوئی نہیں ٹال سکتا اور اس کشمکش سے بچنے کا واحد حل تسلیم و رضا ہے۔

نجیب فاضل کو بعض ادبی حلقوں میں شیکسپیئر، برگساں، ایڈگر ایلن پو اور گوئٹے کا ہم پلہ قرار دیا جاتا ہے۔ ان کی تحریروں میں انسان کا کائنات میں مقام، اس کے مادی و روحانی مسائل، ذہنی الجھنیں، اندرونی اور مخفی احساسات اور کئی فلسفیانہ موضوع زیرِ بحث آتے ہیں اور ان کے ہاں دینی خیالات بھی بہت ملتے ہیں۔ اس کہانی کی زبان بھی سادہ، سلیس اور شگفتہ ہے اور تحریر میں روانگی پائی جاتی ہے۔ اس کہانی میں ایک یونانی مقولہ بھی استعمال کیا گیا ہے کہ:

"ایک ہی پانی سے دو مرتبہ غسل نہیں کیا جاتا۔"(13)

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 9 | September 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
September 30, 2026

"تقدیر ہی ایسی تھی" نجیب فاضل کی اس مجموعے میں شامل دوسری کہانی ہے اور یہ بھی انسان کے کائنات میں مقام، اس کے مادی و روحانی مسائل، اندرونی احساسات ، ذہنی الجھنوں اور فلسفیانہ کڑیوں کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔ اس کہانی میں بھی موت کی تلخ حقیقت نظر آتی ہے۔ اس کہانی کا مرکزی کردار دیوانے شریف نامی شخص ہے۔ اور ساری کہانی تقدیر کے چکر کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔ دیوانے شریف اکثر اپنے آپ میں بڑبڑانے لگ جاتا کہ **"مجھے پاگل کیا ہے تقدیر کے چکر نے"** **(14)** ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"ماسٹر صاحب نے جیب سے ڈائری نکالی، کچھ نوٹ کیا، پھر سر اٹھا کر بت کی طرح ساکت بیٹھے شریف سے مخاطب ہوئے 'دین نے اس مسئلے کا نہایت عمدہ حل پیش کیا ہے۔ دین میں تقدیر اس حقیقت کو کہتے ہیں جس کے مطابق اللہ تعالیٰ کو اس بات کا پیشگی علم ہے کہ تم آئندہ کیا کرنے والے ہو۔' دیوانہ شریف ذرا جوش میں آگیا۔ 'اللہ کو علم ہے کہ کیا کرنے والا ہوں؟ بے شک اس کو علم ہے۔ علم کیسے نہ ہو جب میرا ہر کام اس کی اپنی رضا سے ہوتا ہے"(15)

بعض اوقات انسان اپنے اندر ایسے مادی و روحانی مسائل اور الجھنوں کو جنم دے بیٹھتا ہے کہ وہ انسان اپنی زندگی کو ایک نعمت سمجھ کر گزارنے کے بجائے سب کچھ تقدیر کے حوالے کر کے خود کو مایوسی اور قنوطیت کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دیتا ہے جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ جیسے اس کہانی کا کردار دیوانے شریف ایک ہسپتال میں کمپاؤڈر کی نوکری کرتا ایک لڑکی کو دل دے بیٹھتا ہے جو کینسر کے مرض میں مبتلا ہوتی ہے مرتے وقت اس لڑکی کے آخری الفاظ یہ ہوتے ہیں کہ میری تقدیر ہی ایسی تھی، اور دیوانے شریف بھی آخر میں اس لڑکی کی قبر کے ساتھ ہی خود کو زندہ دفن کر لیتا ہے۔ اس کہانی میں اللہ کی مصلحت پر سوال اٹھایا گیا ہے۔ اس مجموعے میں شامل اگلی دو کہانیاں "ریشمی رومال" اور "سماوار" ترکی کے ایک بہترین اور نامور افسانہ نگار سعید فائق کی ہیں۔ سعید فائق کا ایک مشہور مقولہ تھا۔ **"انسانی محبت ہی سے ہر شے کی ابتدا ہوتی ہے۔"**۱۶ اس مقولے میں ایک صداقت بھی پنہاں ہے کہ محبت ہی کسی بھی چیز کی ابتدا یا اختتام کا باعث بنتی ہے اور ان کی کہانیاں بھی اس مقولے کی مناسبت سے پورا اترتی ہیں۔ "ریشمی رومال" میں ایک معصوم (کمسن عمر کی) محبت کی داستان نظر آتی ہے۔ جس میں ایک چھوٹی عمر کا لڑکا اپنے ہمسائے کی لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے اور اس کی ریشمی رومال لینے کی فرمائش کو پورا کرنے کے لئے ریشمی رومال چوری کرنے کی غرض سے ایک ریشمی کپڑے کے کارخانے میں جاتا ہے کیونکہ خریدنے کے لئے اس کے پاس پیسے موجود نہیں ہوتے۔ مگر اس دوران وہ ایک توت کے درخت سے نیچے گر کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ لہٰذا یہ داستان بھی انسانی محبت کی ابتدا سے ہی اپنے انجام کو پہنچ جاتی ہے۔

سعید فائق کی دوسری کہانی "سماوار" ہے۔ اس میں ترکی کے کچھ روایتی الفاظ یا نام بھی استعمال کئے گئے ہیں۔ سماوا ایک روایتی ترکی چائے کی کیتلی کا نام ہے اور سالب کے لفظ کا استعمال ہے جو کہ ترکی کا ایک مشہور چائے جیسا مشروب ہے۔ اس افسانے کی کہانی کا مرکز ماں باپ کی محبت ہے اور یہ کہانی دو حصوں پر مشتمل ہے یعنی

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 9 | September 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
September 30, 2026

زندگی کے دو رخ دکھائے گئے ہیں پہلے حصے میں زندگی کو انتہائی خوشگوار انداز میں دکھایا گیا ہے جبکہ دوسرا حصہ اس کے بالکل متضاد ہے جس میں ماں کی موت دکھائی گئی ہے۔ سماوار کو ایک فیکٹری سے مشابہت دی گئی ہے اور کہانی میں دو جگہ اس مشابہت کا ذکر کیا گیا ہے۔

"ڈبل روٹی کے گرم گرم ٹوسٹوں کی خوشبو سے بھرے کمرے میں سماوار ابلتی کتنی اچھی لگ رہی تھی۔ علی سماوار کو ایک ایسی فیکٹری سے مشابہت دیتا تھا جس میں نہ بے چینی ہو، نہ ہڑتالیں، اور نہ ہی کوئی فیکٹری کا مالک ہو۔ اس فیکٹری کی پیداوار تو صرف خوشبو تھی، بھاپ تھی، اور صبح سویرے کی خوشی تھی۔"(17)

"بیل گاڑی" اس مجموعے میں شامل سولہویں کہانی ہے جو کہ ترکی کے مشہور افسانہ نگار صباح الدین علی کی کہانی کا ترجمہ ہے۔ ان کا طرزِ تحریر نہایت سادہ اور حقیقت پسندانہ ہے اور منظر کشی میں بھی خاص مہارت رکھتے ہیں۔ اور اپنے زورِ قلم سے ہر ٹریجڈی میں اتنی جان ڈال دیتے کہ قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ ان کی کہانیوں میں اناطولیہ کے گاؤں اور دیہاتی عوام کی زندگی کے پر درد پہلوؤں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ کرنل مسعود اختر شیخ نے تمام کہانیوں کو اس خوش اسلوبی، سادگی، دلکشی، سلاست و روانگی اور عمدہ طرزِ تحریر میں ترکی سے اردو زبان میں براہ راست منتقل کیا ہے کہ تمام تحریریں اپنے متن کی خوبصورتی، شائستگی، حسنِ بیان اور کہانیوں اور کرداوں کی رنگا رنگی کی بدولت طبع زاد معلوم ہوتی ہیں مسعود صاحب کا شمار ان بہترین اور اعلیٰ پایہ مترجمین کی فہرست میں ہوتا ہے جو تراجم کے طے شدہ اصول وضوابط پر اترتے ہیں اور عبارت کے حسن کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ مصنف کے اصل مرکزی نقطے یا پیغام اور دلچسپی کے عنصر کو بھی برقرار رکھتے ہیں اور مسعود صاحب اس ضمن میں کامیاب ترجمہ نگار ثابت ہوتے ہیں۔ ترکی سے تراجم پڑھنے میں دلچسپی کا عنصر اس وجہ سے بھی غالب رہتا ہے کہ ان کی کہانیوں کی روداد، واقعات اور ترکی میں بسنے والوں کے مسائل بھی ہمارے اپنے معاشرے میں بسنے والے عوام الناس کے مسائل سے بہت قریب بلکہ ایک جیسے ہیں۔ مسعود اختر نے اپنے تراجم کو اس قدر جاندار بنا کر پیش کیا ہے کہ قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

"بیل گاڑی" میں ایک بوڑھی، تنہا اور بے سہارا ماں کی دکھ بھری اور کرب ناک داستان بیان کی گئی ہے۔ جس کے اکلوتے جوان بیٹے اور واحد سہارے کو بے رحمی سے قتل کر دیا جاتا ہے اور ہمیشہ مظلوم کا منہ بند کروانے کے لئے طاقت و جبر کا استعمال کیا جاتا ہے اور غریبوں کے لئے ناقص قانون کی وجہ سے ماں اپنے بیٹے کے قتل کا انصاف لئے بغیر ہی حالات کی ستم ظریفی اور دھکے کھاتے کھاتے اس دنیا سے چل بستی ہے۔ اس کہانی کا سب سے پر درد پہلو ایک غریب ماں کے جوان بیٹے کا قتل اور پھر کچھ عرصے بعد اس کی قبر کشائی اور لوگوں کی بے رحمی کا منظر ہے۔

"بڑھیا، جو اناطولیہ کی عام عورتوں کی طرح اونچی آواز منہ سے نکالے بغیر زمین پر بیٹھی رو رہی تھی یہ سن کر بول اٹھی۔ 'ہائے میرے لال کو قبر میں بھی آرام نہیں کرنے دیتے یہ لوگ۔' وہ متواتر جھوم رہی تھی۔ اپنے خشکی سے پھٹے ہوئے ہاتھ گھڑی گھڑی اپنے منہ اور آنکھوں تک لے جاتی، وہ ان سے آنکھوں سے بہہ کر چہرے پر پھیلتے آنسو صاف کر رہی تھی۔ اتنے میں ایک سپاہی نے اسے پاؤں سے ہلکی سی ٹھوکر مار کر کہا۔ 'چل اٹھ!' عورت بھاگ کر اپنی بیل گاڑی لائی۔ بیٹے کی لاش کو ایک

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 9 | September 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
September 30, 2026

پھٹی پرانی رضائی میں لپیٹا۔لاش میں کیڑے پڑ چکے تھے۔۔۔اس پوری کاروائی کے دوران وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد رک جاتی۔رو رو کر اپنے آپ سے نہ جانے کیا کچھ کہتی اور پھر لاش لپیٹنے اور باندھنے میں مصروف ہو جاتی جب رات ہو گئی تو وہ اکیلی بیل گاڑی لے کر سڑک پر چل نکلی۔"(18)

مجموعے میں شامل اگلی دو کہانیاں "مچھلی" اور "ویگن میں" اور حان کمال کے منتخب افسانوں کے تراجم ہیں۔اور حان کمال جدید ترکی ادب کے صفِ اوّل کے ادیبوں میں شمار ہوتے ہیں اور انہیں ترکی کے مقبول ترین افسانہ نگاروں میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ان کا اصل نام محمد رشید اوغوتچو تھا۔ان کی تحریروں میں حقیقت نگاری، معاشرتی ناہمواریوں، غربت، محنت کش طبقے کی مشکلات اور عام انسان کی جدوجہد کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔انہوں نے اپنے ذاتی تجربات اور زندگی کے مشاہدات کو افسانوں اور ناولوں کا موضوع بنایا اور عام لوگوں کے دکھوں، محرومیوں اور امیدوں کو سادہ، رواں اور مؤثر انداز میں پیش کیا۔ان کے کردار زندگی کی تلخ حقیقتوں سے نبرد آزما نظر آتے ہیں، جس کے باعث ان کی تخلیقات میں انسانی ہمدردی اور معاشرتی شعور نمایاں رہتا ہے۔اور حان کمال نے ترکی افسانے میں حقیقت نگاری کی روایت کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا اور اپنی منفرد تخلیقی صلاحیتوں کے باعث جدید ترکی ادب میں ایک مستقل مقام حاصل کیا۔

کرنل مسعود اختر شیخ، اور حان کمال کی پانچ کتابوں سے تقریباً پچاس چیدہ چیدہ کہانیاں "دو شرابی" اور "جھگڑا روٹی کا" کے ناموں سے دو کتابوں کی شکل میں اردو زبان میں ترجمہ کر کے شائع کروا چکے ہیں ان کی کہانی "ویگن میں" دوسرے مجموعے "جھگڑا روٹی کا" میں بھی شامل ہے۔اور حان کمال کی کہانیاں عوام کے روزمرہ کے مسائل، ان کی معاشی پریشانیوں اور تقدیر کے چکروں کے گرد گھومنے والے واقعات کا احاطہ کرتی ہیں۔جو کہ انہیں ایک عوامی ادیب بناتی ہیں۔اور خان کمال کو اپنی زندگی میں جن مشکلات اور مصائب کا سامنا ہوا اور جو انہوں نے اپنے ارد گرد کے ماحول سے مشاہدہ حاصل کیا اسے ہی کہانیوں کا موضوع بنا دیا۔

"ایک کشتی چار مسافر" ترکی کے ایک نامور اور بین الاقوامی شہرت یافتہ ادیب خلدون تانیر کی کہانی کا ترجمہ ہے۔ایک کشتی جس میں چار مختلف طرزِ زندگی اور مختلف سوچ رکھنے والے مسافر سوار تھے۔ایک بھورے بالوں والی خاتون، ایک قصاب، ایک گوراچٹا نوجوان اور ایک پروفیسر۔سب اپنے اپنے خیالوں اور من چاہے خوابوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔اچانک کشتی کے انجن میں آگ لگ جانے پر سب کو اپنی جان بچانے کے لالے پڑ جاتے ہیں اور سب کی سوچ اور خیال ایک جھٹکے میں بدل جاتے ہیں۔خاتون اس بات پر فکر مند ہوتی ہے کہ کوئی اس کی جان بچا لے کیونکہ اسے تیرنا نہیں آتا۔قصاب اپنی جان بچنے پر تین بھیڑوں کا صدقہ کرنے کی منت مانگتا ہے۔نوجوان کا خیال بھی شراب خانے کی ویٹرس کی رانوں سے ہٹ چکا تھا۔اب پروفیسر کو اپنی منتظر بیوی اور بچوں سے پہلے سے زیادہ پیار ہو گیا تھا اور وہ خود کو سقراط کی فلاسفی پر آمادہ کر چکا تھا کہ وہ بھی ہنستے مسکراتے موت کا خیر مقدم کر سکتا ہے۔

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 9 | September 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
September 30, 2026

"سب سے بری حالت پروفیسر کی تھی حالانکہ اسے اپنے بڑا بہادر ہونے کا دعویٰ تھا۔ابھی اسی روز صبح یہ پڑھاتے ہوئے کہ سقراط نے کیسے زندگی کو حقیر جان کر ٹھکرا دیا تھا،اس بات کا دعویٰ کیا تھا کہ ایک حقیقی فلسفی کے لیے ایسی راہ عمل اختیار کرنا بالکل معمولی بات ہوتی ہے اور یہ کہ وہ خود بھی سقراط کی طرح ہنستے مسکراتے موت کا خیر مقدم کر سکتا ہے۔لطف کی بات یہ ہے کہ طلباء کے ساتھ ساتھ وہ خود اپنے اپ کو بھی اپنے اس طرزِ عمل کے بارے میں یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔"(19)

"بیل کی موت" صمیم قوجا گوز کی کہانی کا ترجمہ ہے جو 'ادب برائے حیات' کے اصول پر یقین رکھتے تھے۔انہوں نے اپنے ماحول، محنت کشوں کے مسائل، زمینوں کے جھگڑے اور دیگر معاشرتی تصادم کو اپنی کہانیوں کا موضوع بنایا۔''بیل کی موت''ان کی اردو زبان میں ترجمہ کی جانے والے پہلی کہانی ہے۔اس افسانے میں بھی محنت کشوں کے مسائل،ان کی مجبوریوں اور بے بسیوں کا مداوا کیا گیا ہے۔ جس میں ایک بوڑھا یوسف اپنے بیٹے کے ہمراہ اپنے بیل کی تلاش میں تین دن سے نکلا ہوا تھا۔اس کا بیل جو دریا کے پار دلدل میں دھنس کر مر چکا تھا اور گیدڑ، عقاب، گدھ اور مردار اس کو کھا چکے تھے۔ بوڑھا ایک طرف اپنے بیل کے مرنے پر افسردہ تھا اور دوسری طرف خود کا اس بیل سے موازنہ کرتا ہے کہ اس کے بیل نے خود کو اس عذاب بھری زندگی سے فرار کرنے کی راہ تلاش کر لی 40 سال سے دوسروں کے کھیتوں میں ہل چلا چلا کر اس کا جی بھی بھر چکا تھا اور وہ بھی اس سب سے فرار چاہتا تھا۔

"چالیس سال سے میں بھی تو اسی طرح ڈوبتا چلا جا رہا ہوں۔اوروں کے کھیتوں میں ہل چلا چلا کر میرا بھی تو جی بھر چکا ہے۔میرا بھی اور میرے سانڈ کا بھی۔یہ بیچارہ حیوان مال ہوتے ہوئے بھی مجھ سے کہیں زیادہ عقلمند، کہیں زیادہ دلیر ثابت ہوا ہے۔کم از کم اس دنیا میں رہنے سے تو باز آ گیا ناں۔۲۰

"ہمارا بیٹا" دور حاضر کے ادیب طارق بغرا کی ایک انعام یافتہ کہانی ہے۔طارق بغرا ادب میں حقیقت پسندی کو معاشرے میں حقیقت پسندی کے پسِ منظر میں دیکھتے ہیں۔اس کہانی میں بھی حقیقت کا ایک تلخ روپ بیان کیا گیا ہے۔عزیز نہ سن کا شمار بھی ترکی کے بلند پایہ ادیبوں میں ہوتا ہے۔ان کی کہانیوں میں طنز و مزاح کا عنصر ہمیشہ غالب رہا ہے اور یہی ان کی تحریروں کا خاصا بھی ہے۔اس مجموعے میں ان کی دو کہانیاں "خواب اور حقیقت" اور "روٹی کے دو لقموں کی خاطر" شامل ہیں۔ دونوں میں طنز و مزاح کا عنصر نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔"خواب اور حقیقت" کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ اس کہانی کا محور کیا ہو گا۔بعض اوقات انسان ذرا سی آس ملنے پر بے شمار خواب دل ہی دل میں سجا بیٹھتا ہے جیسے اس کہانی میں ایک بڈھے مریل اور کمزور آدمی کو طنز و مزاح کا استعمال کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ جب ایک امیر اور حسین عورت اسے اپنی کار میں بٹھا کر بچوں کو تنبیہ کرنے کے لئے لے جاتی ہے تو وہ دل ہی دل میں نہ جانے کیا کیا خواب سجا بیٹھتا ہے۔

"وہ سوچنے لگا: آخر انسان ہی تو ہے۔انسان کے دل کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے؟ اور پھر عورت کے دل کے بارے میں۔اس حسینہ کو ضرور میری کوئی ادا پسند آ گئی ہو گی جس سے اس کا دل موم ہو گیا ہے۔۔خوبصورت عورت نے بچوں کی طرف یوں دیکھا جیسے انہیں ڈرانا چاہتی ہو پھر ننگے تھر تھراتے بڈھے کی طرف اشارہ کر

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 9 | September 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
September 30, 2026

کے غصے سے بولی: دیکھو، اس شخص کو دیکھ رہے ہو ناں؟ اس کی ہڈیاں کیسے باہر نکلی ہوئی ہیں۔ یاد رکھو اگر پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاؤ گے تو تم سب کی بھی یہی حالت ہو جائے گی۔"۲۱

مسعود اختر شیخ صاحب کا یہ کمال ہے کہ انہوں نے کہیں بھی کہانیوں میں دلچسپی کے عنصر کو کم نہیں ہونے دیا۔ عزیز نہ سن کی کہانیوں کے تراجم میں طنز و مزاح کے پہلو کو بھی اس خوبصورت سے ترکی سے اردو میں منتقل کیا ہے کہ کہیں بھی تحریروں میں بوجھل پن محسوس نہیں ہوتا۔ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنا آسان کام نہیں ہے یہ کسی بھی مترجم کی کامیابی ہے کہ اس کے تراجم اصل متن کے قریب تر ہوں، عبارت کا حسن بھی قائم رہے اور مصنف کا پیغام بھی برقرار رہے۔ مسعود صاحب اس کڑی شرط پر پورا اترتے ہیں اور دورِ حاضر کے ایک کامیاب مترجم کی حیثیت سے ابھرتے ہیں۔

"ہمتِ مرداں" اور "راہوں کے ساتھی" یہ دونوں کہانیں ترکی کے بین الاقوامی شہرت یافتہ اور صفِ اول کے ادیب یشار کمال کی ہیں۔ ان کی کہانیوں کا تانا بانا بھی غریب مزارعوں، چھوٹے کاشتکاروں کی حالتِ زار اور جاگیرداروں کے ظلم و ستم کے گرد بنا گیا ہے اور سب میں ان کی اپنی زندگی اور مالی مجبوریوں کا عکس نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ مسعود صاحب نے "راہوں کے ساتھی" کے نام سے یشار کمال کی پندرہ منتخب کہانیوں کا مجموعہ کتابی صورت میں بھی شائع کروایا ہے جس میں یہ پہلی کہانی کے طور پر درج ہے اور اسی افسانے کے نام پر مجموعے کا عنوان بھی منتخب کیا گیا ہے۔ چیتن آلتان بھی ترکی کے دورِ حاضر کے اہم ادیب ہیں۔ وہ ایک ترقی پسند ادیب ہیں اور عوام کے مسائل کے حل کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ مسعود اختر نے اس مجموعے میں چیتن آلتان کی دو کہانیوں کے تراجم "ایک تھا گدھا" اور "کائنات کا راز" کے نام سے شامل کیے ہیں۔

"کائنات کا راز" کہانی ایک فلسفی کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔ ہمہ وقت کائنات کے راز کی تلاش میں مشغول رہتا ہے۔ پہلے پہل تو لوگ اس کی باتوں سے بہت متاثر ہوتے ہیں مگر بعد میں اس کی فلسفی و روحانی باتوں سے تنگ آ کر اسے شہر بدر کر کے جنگل میں جا بسنے پر مجبور کر دیتے ہیں جہاں انسانوں کا نام و نشان نہیں ہوتا لہذا وہ تنگ آ کر کتوں سے خطاب شروع کر دیتا ہے اور بالآخر کائنات کا راز پا لیتا ہے کہ انسان کو جب کوئی پر کشش چیز نظر آتی ہے تو وہ اپنی موجودہ لذتوں اور نعمتوں کو چھوڑ کر اس کی طرف لپکتا ہے یا اسے پانے کی حسرت میں اپنی نزدگی میں انتشار برپا کرتا ہے۔

"فلسفی کہہ رہا تھا: اے کتو، اپنے جسم کی قید سے اپنے آپ کو آزاد کر لو۔ کائنات کا راز سمجھنے کی کوشش کرو۔ تم اسی راز کا ایک حصہ ہو۔ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی کوئی معجزہ ظہور پذیر ہو گا اور کتے فلسفی کی باتوں کا جواب دیں گے۔ لیکن قادر مطلق کو فلسفی کی یہ مافوق الفطرت طاقت ایک آنکھ نہ بھائی۔ کتے فلسفی کی باتوں سے متاثر ہو کر قوت ناطقہ حاصل کرنے ہی کو تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک شیطان کا ساتھی جنگل میں اتارا جس نے آتے ہی ایک ہڈی کتوں کے سامنے پھینک دی۔ اس کا ہڈی پھینکنا تھا

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 9 | September 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
September 30, 2026

کہ فلسفی کے تمام سامعین کی جبلت عود کر آئی اور وہ سب ہڈی پر پل پڑے۔ فلسفی اکیلا تقریر کرتا رہ گیا۔ ہڈی پر لپکتے غراتے اور آپس میں الجھتے کتوں کو دیکھ کر فلسفی مسکرایا۔ پھر اس نے نعرہ مارا۔

پالیا، پالیا میں نے کائنات کا راز پالیا۔ یہ راز کیا ہے؟ کتوں کے لئے ایک ہڈی!"(22)

بیکر یلدز بھی ترکی کے صفِ اول کے ادیبوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی اکثر کہانیوں کا موضوع ترکی کے مشرقی اور جنوب مشرقی پسماندہ علاقوں کے باشندوں کی زبوں حالی اور بڑے بڑے زمینداروں کے اپنے بے بس مزارعوں پر ڈھائے جانے والے مظالم ہیں۔ ان کی تحریروں میں پاکستانی معاشرے کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ پاکستانی قاری اکثریوں محسوس کرتا ہے جیسے اپنے ہاں کے عوام کی داستانیں پڑ رہا ہو۔ اس مجموعے میں ان کی دو کہانیاں "ناموس کا محافظ" اور "اماں، تو مر جا" شامل ہیں۔ دونوں کا موضوع عورت ذات ہے "ناموس کا محافظ" میں ایک پسماندہ علاقے اور وہاں کے لوگوں کی پسماندہ سوچ دکھائی گئی ہے۔ جہاں پر بیٹی کا پیدا ہونا رحمت نہیں بلکہ ایک بلا اور مصیبت سمجھا جاتا ہے اور جسے آخر میں عزت و ناموس کے نام پر بغیر کسی جرم کے قتل کر دیا جاتا ہے۔ ایسی بے شمار کہانیاں پاکستان کے پسماندہ علاقوں اور ایسی مفلوج سوچ رکھنے والوں کے ہاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ بیکر یلدز کی دوسری کہانی بھی پاکستانی کہانیوں سے قریب تر ہے اور حقیقت پر مبنی ہے۔ اس کہانی میں ایک گھریلو داستان بیان کی گئی ہے۔ جہاں بیٹے اور بہو کے لئے ایک ماں کی گھر میں موجودگی ایک بوجھ معلوم ہوتی ہے۔ اسے گھر کے ایک کونے میں پھینک دیا جاتا ہے اور اس میں مکافاتِ عمل کا بھی ایک طرح عکس نظر آتا ہے کہ انسان جو کرتا ہے کل کو اسے ساتھ بھی ہو گا۔

"تو میری پیاری اماں، اگر تو واقعی مجھ سے پیار کرتی ہے اور تجھے میری مجبوریوں کا احساس ہے، تو اب اللہ کو پیاری ہو جا اور اگر تیرے مرنے کے بعد بھی میں اپنی بیوی سے انتقام نہ لے سکا تو سمجھوں گا کہ دنیا نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ پھر ایسی حالت میں انسان کیا کر سکتا ہے اماں۔۔۔؟ لیکن اماں میرا دل ابھی سے گواہی دے رہا ہے کہ قدرت انصاف سے ہی کام لے گی اور ساتھ ہی میں اس لڑکی کے بارے میں بھی سوچ رہا ہوں جو خود میرے بیٹے کی دلہن بن کر ایک روز میرے گھر آئے گی۔"۲۳

کرنل مسعود اختر شیخ صاحب کے اس مجموعے میں شامل دیگر کہانیاں "واپسی"، "قصہ چند خربوزوں کا"، "بچھو کا رقص" اور "بقال" میں مذہبی رنگ، اسلامی افکار و اقدار، سخاوت، انسان کی حقیقت اور تقدیر سے آگاہی کے ساتھ ساتھ دورِ حاضر کی مغرب زدہ نسل کی توجہ ان کے اسلامی ورثے اور آباؤ اجداد کے طرزِ زندگی اور روایات کی طرف مبذول کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مسعود صاحب نے اپنے تراجم کے ذریعے سے پاکستانی قارئین کے سامنے ترکی کے نثری ادب کو ایک وسیع کینوس پر پیش کیا ہے۔ انہوں نے اپنے مجموعوں میں نئے اور پرانے، ترقی پسند، میانہ رو اور قدامت پسند، مذہب کے نام سے چڑنے والے اور دین کے نام پر جان دینے والے، نوجوان اور بزرگ، مرد اور خواتین، غرض ہر طرح کے ترک ادیبوں کو اس مجموعے میں شامل کرنے کی کوشش کی ہے۔

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 9 | September 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
September 30, 2026

کرنل مسعود اختر شیخ نے مجموعۂ "ترکی کے بہترین افسانے" میں ترکی کی دو خواتین افسانہ نگاروں، خدیجہ ریز چلبی اور حضیمہ قوچاق، کی تین منتخب کہانیوں کو شامل کرکے جدید ترکی افسانے میں خواتین کی تخلیقی نمائندگی کو بھی جگہ دی ہے۔ خدیجہ ریز چلبی کی کہانی "خنداں" اور حضیمہ قوچاق کی کہانیاں "خیری کی شادی" اور "سارے بھکاریوں کی اماں" اس انتخاب کا حصہ ہیں۔ ان کہانیوں کی شمولیت اس اعتبار سے اہم ہے کہ یہ مجموعے میں خواتین افسانہ نگاروں کی تخلیقات کو بھی نمائندگی فراہم کرتی ہے اور ترکی افسانے کے مطالعے کو محض مرد ادیبوں تک محدود نہیں رہنے دیتی۔ اس طرح مترجم کا انتخاب ترکی ادب کے متنوع تخلیقی سرمایے سے اردو قارئین کو متعارف کرانے کی ایک قابلِ قدر کوشش قرار پاتا ہے۔ کرنل مسعود اختر شیخ کا مجموعہ ''ترکی کے بہترین افسانے'' ان کی وسعتِ مطالعہ، ادبی ذوق اور انتخابِ ادب کی صلاحیت کا ایک اہم نمونہ ہے۔ اس مجموعے کی بنیادی اہمیت یہ ہے کہ یہ اردو قارئین کو ترکی افسانے کی مختلف تخلیقی جہتوں اور ادبی رجحانات سے متعارف کراتا ہے۔ مختلف ترک افسانہ نگاروں کی نمائندہ تخلیقات کے انتخاب کے ذریعے مترجم نے انسانی زندگی، معاشرتی رویوں، نفسیاتی کیفیات اور تہذیبی تجربات کے ایسے پہلوؤں کو اردو زبان میں منتقل کیا ہے جو جغرافیائی اور لسانی حدود سے ماورا ہیں۔ اس نوعیت کے ترجمے میں مترجم کی ذمہ داری محض اصل تحریر کے مفہوم کو منتقل کرنا نہیں ہوتی بلکہ اس کے اسلوب، فضا، کرداروں کی داخلی کیفیت اور تخلیقی تاثیر کو بھی دوسری زبان میں برقرار رکھنا ہوتی ہے۔ مسعود اختر شیخ کی یہ کاوش اسی اعتبار سے اہمیت رکھتی ہے کہ وہ اردو قارئین کے لیے ترکی افسانے کے مطالعے کی راہ ہموار کرتی ہے اور انہیں ایک مختلف معاشرتی و تہذیبی تناظر میں انسانی زندگی کے مشترک تجربات کو سمجھنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ یوں "ترکی کے بہترین افسانے" ترجمے کے ذریعے ادبی تبادلے اور بین الثقافتی تفہیم کی ایک قابلِ ذکر مثال بن جاتا ہے۔

"ترکی کے بہترین افسانے" کے مطالعے سے کرنل مسعود اختر شیخ کی مترجم کی حیثیت سے ایک اہم خصوصیت سامنے آتی ہے، اور وہ ہے ترکی ادب اور اردو قارئین کے مابین بامعنی رابطے کی تشکیل۔ کسی افسانے کا کامیاب ترجمہ اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب مترجم اصل متن کے مفہوم کے ساتھ اس کی فنی ساخت، اسلوبیاتی خصوصیات، کرداروں کے مزاج اور تہذیبی پس منظر کو بھی سمجھتا ہو۔ اس مجموعے کی افادیت اس امر میں ہے کہ یہ اردو قارئین کو ترکی افسانے کے منتخب نمونوں سے روشناس کرانے کے ساتھ ساتھ انہیں مختلف معاشرتی تجربات، انسانی رویوں اور فکری زاویوں سے بھی آشنا کرتا ہے۔ اس طرح مترجم زبانوں کے درمیان محض واسطے کا کام نہیں کرتا بلکہ دو ادبی روایتوں کے مابین تفہیم اور تبادلے کا ذریعہ بنتا ہے۔ مسعود اختر شیخ کی اس کاوش کو اردو میں ترکی افسانے کی شناخت اور مطالعے کے فروغ کے تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔ ان کی ترجمہ نگاری کی اصل معنویت اس ادبی پل کی تعمیر میں مضمر ہے جو ترکی کے تخلیقی تجربات کو اردو کے ادبی ذوق سے ہم آہنگ کرتا ہے اور قارئین کے لیے عالمی ادب کے مطالعے کے نئے امکانات پیدا کرتا ہے۔

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 9 | September 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
September 30, 2026

کرنل مسعود اختر شیخ کی ترجمہ نگاری کا دائرہ ادب، فکر، تہذیب اور انسانی تجربات کے متنوع پہلوؤں پر محیط ہے۔ غیر ترک ہونے کے باوجود ترکی زبان پر ان کی غیر معمولی دسترس اور ترکی ادب سے گہری واقفیت نے انہیں اس قابل بنایا کہ وہ ترکی کے اہم ادبی سرمایے کو اردو اور انگریزی زبانوں میں منتقل کر کے وسیع تر قارئین تک پہنچا سکیں۔ ان کی یہ کاوش محض ایک زبان سے دوسری زبان میں لفظی منتقلی نہیں بلکہ دو مختلف تہذیبی اور ادبی روایتوں کے مابین مکالمے کی ایک بامعنی صورت ہے۔ انہوں نے پاکستانی قارئین اور ادبی حلقوں کو ترکی ادب کی متنوع اصناف، فکری رجحانات اور تخلیقی تجربات سے روشناس کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کے تراجم میں وسعتِ مطالعہ، فکری کشادگی اور تعصب سے بالاتر ادبی شعور کی جھلک نمایاں ہے۔ یہی خصوصیات ان کے کام کو علمی و ادبی اعتبار سے قابلِ قدر بناتی ہیں۔ ان کی خدمات کی پذیرائی ترکی کے ادبی حلقوں میں بھی ان کے مقام و مرتبے کی عکاس ہے۔

حوالہ جات

1. Translation of 11 Turkish Books Launched." Interface. Accessed December 2025. https://www.interface.edu.pk/urdu
2. Translation of 11 Turkish Books Launched." Interface. Accessed January 2026. https://www.interface.edu.pk/urdu
3. مسعود اختر شیخ، کرنل (ریٹائرڈ)، ترکی کے بہترین افسانے، اسلام آباد: مسعود پبلشرز، ۲۰۰۹ء، ص: ۱۱
4. ایضاً، ص: ۱۴
5. ایضاً، ص: ۲۲
6. ایضاً، ص: ۲۲
7. ایضاً، ص: ۳۹
8. ایضاً، ص: ۶۳
9. ایضاً، ص: ۶۷
10. ایضاً، ص: ۷۳
11. ایضاً، ص: ۸۴
12. ایضاً، ص: ۸۶
13. ایضاً، ص: ۹۲
14. ایضاً، ص: ۹۷
15. ایضاً، ص: ۹۹، ۱۰۰
16. ایضاً، ص: ۱۰۳
17. ایضاً، ص: ۱۱۰
18. ایضاً، ص: ۱۱۸
19. ایضاً، ص: ۱۳۶
20. ایضاً، ص: ۱۴۳
21. ایضاً، ص: ۱۵۴، ۱۵۶
22. ایضاً، ص: ۱۸۴

OPEN ACCESS
CC BY